سفارش پر بھٹو صاحب نے او جی ڈی سی کا چیئرمین مقرر کیا تھا۔ انہوں نے اپنے دور میں ذکاء الدین کو بیرون ملک سے واپس بلایا تھا حالانکہ یہ اپنے آپ کو ذہنی مریض قرار دے کر ملک سے باہر چلے گئے تھے ڈاکٹر شہزاد نے انہیں ۱۹ گریڈ دے کر دوبارہ او جی ڈی سی میں ڈائریکٹر مقرر کیا تھا۔ جب انہوں نے اس ادارہ کو چھوڑا تھا، اس وقت وہ گریڈ سترہ کے ملازم تھے۔ ملک صاحب نے بے شمار قادیانیوں کو اپنے دور میں ملازمتیں بہم پہنچائی ہیں اور پہنچا رہے ہیں۔

۲۸۔ منیر احمد:۔ ڈائریکٹر جنرل گیس وزارتِ پیٹرولیم و قدرتی وسائل

۲۹۔ شاہد احمد:۔ ڈائریکٹر جنرل پیٹرولیم کنسیشن۔ وزارت پیٹرولیم و قدرتی وسائل۔ (سابق سیکرٹری پیٹرولیم و قدرتی وسائل)

۳۰۔ میاں ممتاز حبیداللہ:۔ اڈیشنل سیکرٹری۔ وزارتِ تجارت

۳۱۔ بریگیڈیئر ڈاکٹر نسیم احمد:۔ سی، ایم۔ ایچ۔ آئی۔ اسپیشلسٹ

۳۲۔ منصور الحق:۔ ڈائریکٹر جنرل بیورو آف امیگریشن۔ وزارتِ محنت وافرادی قوت۔ آپ ٹی اینڈ ٹی کے ڈائریکٹر جنرل رہ چکے ہیں۔ موصوف سیتور الحق کے سگے بھائی ہیں۔

۳۳۔ بیگم اظہار الحق:۔ اظہار الحق سیکرٹری اقتصادی امور ڈویژن۔ آپ سیکرٹری پٹرولیم و قدرتی وسائل اور خزانہ کے سیکرٹری رہ چکے ہیں۔ اگرچہ موصوف کی بیگم قادیانی ہیں مگر ان کے سرتاج یعنی سیکرٹری صاحب انہی کے زیر اثر ہیں۔ جناب اظہار الحق صاحب نے ہی شاہد احمد کو ڈائریکٹر جنرل (پٹرولیم کنسیشن) کے عہدے پر ترقی دلائی تھی۔ منیر احمد بھی انہی کی "مساعی جمیلہ" سے ڈی جی (گیس) کے منصب پر متمکن ہوئے ہیں۔

۳۴۔ نسیم احمد:۔ سابق سیکرٹری اطلاعات (عہدِ بھٹو میں) پہلے انگلستان میں سفیر بنا کے جا رہے تھے مگر اب انہیں اقوام متحدہ میں نمائندہ بنا کر بھیجا جا رہا ہے۔

بشکریہ ہفت روزہ چٹان لاہور

جہانیاں میں نقیب ختم نبوت کا تازہ شمارہ محمد اسمٰعیل ارشاد جامع رحمانیہ سے حاصل کریں۔

رحیم یار خان میں
نقیب ختم نبوت، الاحرار اور ردّ مرزائیت پر دیگر لٹریچر
تنویر حسین کمبوہ
مدرسہ عربیہ دار العلوم فاروقیہ سے طلب فرمائیں۔ فون: 4915

ہارون الرشید

شیطانی ہفوات" کے بارے میں چونکا دینے والے انکشافات

سلمان رشدی کون ہے؟
شیطانی کتاب کیوں لکھی اور کیسے شائع کی گئی

کتاب کا نام مشرکین مکہ کی گھڑی ہوئی ایک روایت سے ماخوذ ہے۔

اسلام آباد کے مظاہرے کے بعد' جس میں ۶ افراد شہید اور درجنوں زخمی ہوگئے' شیطانی ہفوات نامی کتاب ملک میں بحث و مباحثے کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ اپوزیشن کا الزام یہ ہے کہ بے نظیر حکومت اس معاملے کی اہمیت کو سمجھنے میں ناکام رہی ہے اور اسے مسلمانوں کے جذبات سے زیادہ امریکیوں کی پرواہ ہے جو اپنے مفادات کے لئے پاکستان کو ایک طفیلی ملک بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ ادھر وزیراعظم اور ان کے رفقاء کہتے ہیں کہ اس تحریک کے مقاصد سیاسی ہیں اور اس کی قیادت کرنے والے اپوزیشن لیڈر جمہوری حکومت کے خلاف سازش کر رہے ہیں جس سے ان کے مفادات خطرے میں ہیں اور جو ان کی چودھراہٹ قبول نہیں کر سکتے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے اسلامی حمیت کے جذبے سے سرشار مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کتاب کے خلاف تیزی سے اقدامات کئے ہیں جس میں خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم' حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ' حضرت عیسیٰؑ' ازواج مطہرات' اصحاب رسول اور اسلامی تعلیمات کا تمسخر اڑایا گیا ہے۔ جمعہ ۱۷ فروری کے مظاہرے اندازوں کے مطابق بھرپور اور غیر معمولی نہیں تھے۔ اگرچہ ملک بھر میں لوگ سڑکوں پر نکلے اور تقریباً سو فیصد مساجد میں اس کتاب کی مذمت کی گئی۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رائے عامہ حکومتی اقدامات کا وزن محسوس کر رہی ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ تحریک بنیادی مطالبات کے سلسلے میں کسی اہم کامیابی کے بغیر ختم ہو جائے گی کیونکہ کروڑوں مسلمانوں کے دینی جذبات مجروح ہیں۔

مشہور عالم برطانوی اشاعتی ادارے پینگوئن کی ذیلی تنظیم وائی کنگ نے ۵۴۷ صفحات کی یہ کتاب اکتوبر ۱۹۸۸ء میں شائع کی۔ البتہ اس کی تشہیر بہت پہلے سے جاری تھی کہ بڑے کاروباری ادارے دوسری مصنوعات کی طرح اہم کتابوں کی تشہیر کے لئے طرح طرح کے مؤثر طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اس پر برطانوی مسلمانوں میں اضطراب تو ضرور تھا لیکن وہ اسے نظرانداز کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جس طرح دوسری قابل اعتراض کتابوں کے سلسلے میں روزگار کے لئے مغرب جانے والے مسلمانوں کا رویہ ہے' یہ بات کسی کے سان گمان میں بھی نہ تھی کہ اس کتاب میں ایسا مواد ہو گا جو ان کی دینی حمیت کے لئے ایک چیلنج بن جائے گا۔ برطانیہ میں اس تحریک میں مرکزی کردار ادا کرنے والے ہفتہ وار جریدے امپیکٹ کے مدیر ایم ایچ فاروقی کے مطابق جب پہلی بار کسی نے ٹیلی فون پر ان سے رابطہ کر کے سوال کیا کہ وہ اس کتاب کے بارے میں کیا کرنے والے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ "کچھ بھی نہیں۔" وہ اس کتاب پر رائے دینے کے لئے تبصرے کی کاپی کا انتظار کر رہے تھے' جب انہیں معلوم ہوا کہ اس کے صفحات میں کیسی غلاظت بھری ہے برطانیہ میں اس امر کا احساس پھیلتے ہی ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے احتجاج منظم کرنے کا آغاز کر دیا۔

برطانیہ کے بعد سب سے پہلا ردعمل بھارتی مسلمانوں نے ظاہر کیا کہ مصنف بھارت میں پیدا ہوا اور کتاب کے بعض مرکزی کردار بمبئی شہر سے متعلق دکھائے گئے ہیں۔ پھر بھارت کے مسلمان رکن پارلیمینٹ شہاب الدین اور ان کے ساتھیوں نے وزیراعظم راجیو گاندھی سے ملاقات کر کے انہیں بھارتی مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا۔ نئی دہلی سے شائع ہونے والے مسلمانوں کے ترجمان ہفت روزہ نئی دنیا نے مسلمانوں کے احتجاج کو زبان دی۔ اگرچہ مغرب نواز

بھارتی پریس کتاب کا دفاع کر رہا تھا لیکن راجیو گاندھی نے جو اس سال کے آخر میں انتخابات کا سامنا کرنے والے ہیں' ۱۰ کروڑ مسلمان ووٹروں کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب پر پابندی عائد کر دی۔ لندن میں سلمان رشدی نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ راجیو ووٹوں کی خاطر مسلمان انتہا پسندوں کے سامنے جھک گئے ہیں۔ انہوں نے کہا بھارت کو فیصلہ کرنا ہے کہ کیا اسے روشن خیالی کے ساتھ زندہ رہنا ہے یا تاریکی کی قوتوں کے سامنے سپرانداز ہو جانا ہے۔

برطانیہ میں مسلمان اپنی تحریک جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ برطانوی مسلمانوں کی اہم دینی اور سماجی تنظیموں میں احتجاج کرنے کے لئے اتفاق رائے پیدا ہوا۔ انہوں نے جلوس نکالے اور کتاب کی کاپیاں جلائیں جو لبرل ازم کے علمبردار اس ملک میں پہلا اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا۔ دینی حمیت کے تصور سے ناآشنا طاقتور مغربی اخبارات نے اس پر منفی ردعمل ظاہر کیا۔ اگرچہ بعض ممتاز ادبی نقادوں نے کتاب کی مذمت کی جس میں ان کے بقول ایک ممتاز اور عظیم مذہب کے پیروکاروں کی توہین کی گئی تھی لیکن ان کا استدلال یہ تھا کہ اظہار رائے کی آزادی کے لئے اس واقعہ کی اصولی مذمت پر اکتفا کرنا چاہئے۔

سب کے سب برطانوی سیاستدان اس استدلال سے متفق نہیں تھے' چنانچہ ان میں سے بعض نے مذہبی جذبات کا تمسخر اڑانے اور مذہبی شعائر کی توہین کو روکنے کے لئے ایک قانون بنانے کی تیاریاں شروع کر دیں کہ انہیں ووٹروں کے جذبات کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ بھارت کے فوراً بعد پاکستان' عرب ممالک اور جنوبی افریقہ میں کتاب پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مسلمان پبلشر سے معافی مانگنے اور مارکیٹ میں بھیجی گئی کتابیں واپس لینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ لیکن پینگوئن کے کرتا دھرتا اس احتجاج کے معاملے میں بے نیازی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ متنازعہ کتاب کی فروخت بڑھ رہی ہے۔ ارکان پارلیمنٹ کی طرف سے ایک نئے مسودہ قانون کی تیاری کے بعد انہوں نے برطانیہ کی بجائے امریکہ سے کتاب کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ کتاب آٹھ زبانوں میں شائع کی جائے گی اور مسٹر سلمان رشدی اس کی فروخت کو بہتر بنانے کے لئے امریکہ اور دوسرے ممالک کا دورہ کریں گے۔ ان کے لئے یہ ایک خالص کاروباری معاملہ تھا۔ ان کا احساس یہ تھا کہ مسلمان ممالک کی مغرب سے مرعوب حکومتیں اپنے ہاں پینگوئن کی مطبوعات کے داخلے پر پابندی عائد کرنے کی جرات نہیں کریں گی۔

رنجیدہ مسلمانوں کا احتجاج روایتی انداز میں جاری رہتا لیکن مغربی پریس اور حکومتوں کی سردمہری اور امریکہ سے کتاب کی اشاعت کے اعلان نے ان کے غم و غصے میں اضافہ کر دیا۔ ایک طرف بھارتی' یورپی اور امریکی پریس مسلسل یہ تاثر دے رہا ہے کہ مسلمان قوت برداشت اور تحمل سے عاری ہیں اور یہ کہ تشدد ان کے مزاج کا حصہ بن گیا ہے۔ دوسری طرف مسلمان دکھے ہوئے دلوں سے شکایت کر رہے ہیں کہ نام نہاد جمہوری دنیا شائستگی کے تمام تقاضے نظرانداز کر کے ان کے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہے۔

مصنف اور کتاب...... سلمان رشدی جون ۱۹۴۷ء میں بمبئی کے ایک مغرب زدہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کے والد انیس سلمان کو ورثے میں وسیع جائیداد ملی' جسے وہ تمام عمر اجاڑنے میں لگے رہے' حتیٰ کہ ۱۹۸۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ کمسن رشدی کو جو بمبئی کے مشنری سکول میں پڑھتا تھا ۱۹۶۰ء میں خاندان کے ثقافتی قبیلے لندن بھیجا گیا تاکہ وہ جدید انگریزی تعلیم پائے اور مغربی انداز کی زندگی گزارنا سیکھ سکے۔ اس نے لندن میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں قیام کیا۔ اسے رگبی پبلک میں داخل کرایا گیا۔ وہ پیلے رنگ کا ایک منحنی سا لڑکا تھا جو بمبئی کے عام لوگوں کے مقابلے میں بڑا ماڈرن دکھائی دیتا لیکن لندن کے معیار سے وہ انگریزی تہذیب کے قرینوں سے ناآشنا اور کسی قدر ناتراشیدہ نظر آتا تھا۔ ابتدائی دنوں میں کھانے کی میز پر کئی بار اس کا مذاق اڑایا گیا کہ وہ بعض برطانوی کھانے ڈھنگ سے نہ کھا سکتا تھا۔ والد کی طرف سے نظرانداز کئے گئے زودرنج لڑکے کو اس سے بڑی تکلیف پہنچی۔ یہ بات اس کے دل و دماغ میں ثبت ہو گئی کہ مغربی قرینوں اور طرز فکر سے مسلح آدمی ہی توقیر کا مستحق ہے۔ ضدی لڑکے میں انگریزوں سے بڑھ کر انگریز بننے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ دوسروں نے صرف مغربی لباس پہننا اور چھری کانٹے سے کھانا کھانا سیکھا تھا لیکن وہ ابھی تک "مذہبی توہمات" میں مبتلا ہیں۔ وہ ان سے دو جوتے آگے بڑھے گا اور ہر اس چیز سے لاتعلقی اختیار کرے گا جو مغربی شعور کے سانچے میں غیر منطقی نظر آتی ہے۔ انگریزی محاورے کے مطابق وہ تین گنا ہوشیار بننے کی کوشش کرنے لگا اور دوسروں کو چونکا دینے کے لئے اس نے بے ہودہ اور گندی چیزوں میں دلچسپی کا اظہار شروع کر دیا۔ وہ

ایک ایسا لڑکا تھا جس میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ تھا ("وہ مجھے نظر انداز کیوں کرتے ہیں، کیا میں کوئی حقیر وجود ہوں؟") یہ برطانیہ میں پاپ میوزک کی مقبولیت کا دور تھا جسے روایت پسند مسترد کر رہے تھے لیکن نئی نسل اس پر فدا تھی۔ وہ ہر وقت ریکارڈ پلیئر میں پاپ میوزک کا کیسٹ لگائے رقص کرتا نظر آتا اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھتا جب تک اسے روک نہ دیا جاتا یا تھکن اس پر سوار نہ ہوتی۔ اس میں کچھ کر دکھانے کا جذبہ تھا اور اس کے لئے وہ جسمانی تھکن کی زیادہ پرواہ نہ کرتا تھا۔ ایک ایسے گھرانے میں، جہاں کوئی نظریہ اور فکر موجود نہ تھی اور جو اپنے روایتی کلچر سے دستبردار ہو چکا تھا، شوخ لڑکے کی حوصلہ افزائی کی جاتی اگلے سالوں میں جب اس نے کیمبرج میں داخلہ لیا، یہ شوخی کچھ اور اجاگر ہو گئی۔ وہ سور کا گوشت کھانے میں جھجھک کا شکار نہ ہوتا جبکہ خاندان کی پہلی نسل کو اس میں تامل تھا۔ ۱۹۶۸ء میں وہ کیمبرج سے فارغ ہوا تو نائٹ کلبوں میں چرس اور دوسری منشیات سے شغل کرتا نظر آنے لگا۔ والد کے ساتھ آئے روز اس کی تلخی ہوتی، جو جلد غصے میں آجانے والے آدمی تھے، سلمان بھی اس معاملے میں باپ سے پیچھے نہ تھا، زود رنجی اس کے اطوار پر غالب تھی۔ ۱۹۸۷ء میں جب انیس رشدی کا انتقال ہوا تو وہ اپنے بیٹے سے ناخوش تھے، جسے ان کی کوئی پرواہ نہ تھی اور جو ایک منہ زور حیوان کی طرح بے قابو تھا۔ ۱۹۶۸ء میں اس کے والدین کراچی منتقل ہو گئے۔ سلمان کی بہنیں جوان ہو گئی تھیں اور ان کی شادیوں کا مسئلہ والدین کو پریشان کر رہا تھا۔ وہ بمبئی واپس جانا نہیں چاہتے تھے، جہاں مسلمانوں کو بے پناہ مشکلات کا سامنا تھا اور جہاں بچیوں کے لئے رشتوں کی تلاش اور خوشگوار زندگی گزارنے کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں حائل تھیں۔ بوڑھے ماں باپ اب لندن میں بھی رہنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ انیس رشدی کی دولت ختم ہو رہی تھی اور برطانیہ کی نئی نسل پیلے اور کالے رنگ کے لوگوں سے نفرت کرتی تھی۔

سلمان رشدی اپنے والدین کے ساتھ پاکستان نہیں آیا اور ایک سال لندن ہی میں رکا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ جدید ثقافت سے بیگانہ مذہبی معاشرے میں کیسے زندگی گزار سکے گا لیکن آخر کار اسے کراچی آنا پڑا کیونکہ لندن میں اسے کوئی ڈھنگ کا کام نہ مل سکا تھا۔ پاکستان میں جہاں یحیٰی خاں اقتدار میں تھے اس نے کسی اخبار میں نوکری تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناتجربہ کار اور ضرورت سے زیادہ انگریز تھا۔ آخر کار وہ ٹی وی میں ملازم ہو گیا لیکن اس کی تنخواہ بے حد کم تھی، جس میں پسندیدہ تفریحات کا بار نہیں اٹھایا جا سکتا تھا۔ ٹی وی میں اسے کچھ اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ سلمان کا کہنا ہے کہ اسے ٹی وی پروگراموں میں "سور" اور "حرامی" کے سے الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہ دی گئی اس کے اظہار کا اسلوب لندن میں پروان چڑھا تھا، جہاں کتابوں، نسوں اور اخباروں میں ایسے الفاظ کا استعمال زیادہ معیوب نہ سمجھا جاتا تھا اور تحریروں میں ندرت پیدا کرنے کے لئے ان کا سہارا لینا ایک فیشن بن گیا تھا لہٰذا وہ ایک سال کے بعد لندن واپس چلا گیا۔ وہ ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ بھارت اب اس کا وطن نہیں رہا تھا اور پاکستان کو بھی وطن نہ بنا سکا۔ اب لندن ہی اس کی جائے پناہ ہو سکتی تھی، جہاں اسے تعصب کے شکار گوری چمڑی والوں کے درمیان رہنا تھا۔ لندن میں اس نے تھیٹر اور اشتہاری اداروں میں کام ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ تھیٹر میں اس نے ایک آدھ چھوٹا موٹا کردار ادا کیا لیکن ہدایت کاروں کو اس کے اندر اداکاری کی صلاحیتیں نظر نہ آئیں۔ اس نے ایک اشتہاری ادارے میں کاپی رائٹر (اشتہار کا مضمون لکھنے والے) کے طور پر اپنا لوہا منوانا چاہا۔ وہ اشتہاروں کے لئے چونکا دینے والے لیکن منفی انداز کے جملے لکھتا۔

اشتہارات میں نادر خیالات پسند کئے جاتے ہیں لیکن رشدی کے لکھے جملوں میں ایک ٹیڑھ نظر آتی تھی لہٰذا یہ عام طور پر مسترد کر دیئے جاتے۔ مثلاً کریم بسکٹ کے ایک اشتہار کے لئے اس نے شریر لیکن لذیذ (NAUGHTY BUT TASTY) کا عنوان تجویز کیا۔ بسکٹ کمپنی کے منتظمین نے یہ سلوگن مسترد کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس میں فحاشی کا پہلو نکلتا ہے۔ بعد میں یہ سلوگن کسی اور کمپنی نے استعمال کیا تو رشدی نے دوستوں کو بتایا کہ وہ اس کا لکھا ہوا جملہ ہے، تاہم نقادوں کا کہنا ہے کہ یہ جملہ ایک امریکی مصنف نے پچھلی صدی کے آخر میں برتا تھا، شہرت پسند رشدی جس کا کریڈٹ لینے پر مصر تھا۔

سلمان رشدی کی ذاتی زندگی ذہنی انتشار اور لذت کوشی کے حصار میں تھی۔ اس نے کلیریسا لوارڈ نامی ایک خاتون سے مراسم قائم کئے۔ دو سالہ تعلقات کے بعد ۱۹۷۶ء میں وہ ایک اپارٹمنٹ میں اکٹھے رہنے لگے، تاہم انہوں نے شادی کرنے کے لئے مزید دو سال انتظار کیا۔ ۱۹۸۴ء میں جب رشدی کامیابی اور شہرت کے دور میں داخل ہوا تو اس نے کلیریسا سے

علیحدگی اختیار کرلی تاہم طلاق کا قانونی عمل مکمل کرنے کے لئے وہ دونوں مزید تین سال انتظار کرتے رہے۔ اس وقت ان کے اکلوتے بچے ظفر رشدی کی عمر ۹ سال تھی۔

سلمان رشدی کا پہلا ناول ۱۹۷۵ء میں GRIMUS کے عنوان سے چھپا تو اسے خریداروں اور نقادوں نے مسترد کر دیا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ ۱۹۷۹ء میں اس کا دوسرا ناول طباعت کے لئے تیار تھا' جس پر اس نے کئی سال محنت کی

ادیبہ میری این ڈگنز سے شادی کرلی۔ وہ اب بھی ایک مضطرب اور بے قرار آدمی تھا۔ ایک انٹرویو میں اس نے کہا "میرے اندر دو شخصیتیں کارفرما ہیں" اپنے ناول کے دو کرداروں کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے کہا "ان میں سے ایک جبرئیل کی طرح ہے اور دوسری صلاح الدین چمچہ کی طرح' میں سڑک پر چلتے ہوئے جب کسی شخص کو اپنی طرف آتے دیکھتا ہوں تو اپنی ایک شخصیت کو چھپالیتا ہوں۔"

وہ ایک عورت کے ساتھ رہتا تھا' دوسری سے معاشقہ کیا اور تیسری سے شادی۔

ہے یہ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ پاکستان' بھارت اور برطانیہ کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کتاب "SHAME" اس نسل سے بحث کرتی ہے' جنہیں ہجرت کرنا پڑی۔ وہ خاندان جو جڑے نہ رہ سکے۔ رشدی نے پاکستان اور بھارت دونوں کا مضحکہ اڑایا اس کتاب میں اندرا گاندھی کا تذکرہ بھی تھا اور جیسا کہ رشدی کی خصوصیت ہے کہ وہ حال یا ماضی کے کسی کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی توہین کئے بغیر نہیں رہ سکتا' اس نے اندرا گاندھی کی کردار کشی کی تھی۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے پبلشر اور مصنف کو ہرجانے کا نوٹس دے دیا۔ قانونی ماہرین نے ادارے کو بتایا کہ اندرا کا مقدمہ مضبوط ہے۔ چنانچہ انہوں نے کھلے عام معافی مانگی اور بھارتی وزیر اعظم کو ہرجانہ ادا کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہرجانے کی رقم کیا تھی۔ سلمان کی تیسری کتاب MIDNIGHT CHILDREN تھی۔ یہ پاکستان کی ثقافتی' سیاسی اور مذہبی فضا کے حوالے سے لکھا جانے والا ناول ہے۔ وہی تمسخر آمیز انداز' اس ناول پر اسلامی ثقافت کا مذاق اڑانے والے رشدی کو بکر ایوارڈ ملا' جو برطانیہ کا سب سے بڑا ادبی انعام سمجھا جاتا ہے۔ رشدی کو اس کے ساتھ ۱۰ ہزار پاؤنڈ کی رقم بھی ملی لیکن اس کتاب کی اشاعت کے بعد اس کی اصل کامیابی یہ تھی کہ اب پینگوئن والے اسے بلا تکلف چھاپنے پر آمادہ تھے۔ انہوں نے شیطانی ہفوات کے لئے اس سے معاہدہ کرلیا اور اسے ۸۵۰۰۰۰ ہزار پاؤنڈ (تقریباً ۳ کروڑ روپے) کی رقم ادا کی۔ اس عرصے میں ایک آسٹریلین ادیبہ روبین ڈیوڈسن سے مراسم استوار کرنے کے بعد اس سے علیحدگی اختیار کر چکا تھا۔ شہرت اور کامیابی کے میدان میں داخل ہوتے ہی اس نے

اپنے ارد گرد کے ان لوگوں سے نجات حاصل کرلی جو اس کے لئے ادبی اداروں سے رابطہ رکھتے تھے۔ جلدی اس نے امریکی

شیطانی ہفوات رشدی ایک عرصے سے اپنے اہل خاندان' دوستوں اور بالخصوص اپنی ماں کو بتا رہا تھا کہ وہ ایک اچھوتے موضوع پر لکھ رہا ہے۔ مغرب میں جہاں کسی چونکا دینے والے موضوع کے پس منظر میں سماجی مسائل پر لکھنے کا اسلوب مقبول ہو چکا ہے' یہ کوئی عجیب بات نہیں لیکن کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ایک ایسے موضوع پر لکھے گا اور اس میں اتنی غیر ذمہ داری اور سفاکانہ گندگی پر اتر آئے گا۔۔۔ اس کتاب کا عنوان ایک مضحکہ خیز روایت سے ماخوذ ہے' جب کہ کے مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر یہ بہتان تراشا کہ انہوں نے سورہ نجم کی بعض آیات حذف کر دی ہیں۔ مشرکین کی گھڑی ہوئی کہانی کے مطابق حضورؐ نے یہ کہتے ہوئے یہ آیات حذف کی تھیں کہ یہ الفاظ شیطان کی مداخلت کے سبب ان کی زبان سے نکل گئے تھے۔

بعض عیسائی مصنفین کا نظریہ یہ ہے کہ پیغمبر بھی دوسرے جیسے عام لوگ ہوتے ہیں اور وہ معصوم نہیں ہوتے۔ علماء کا کہنا ہے کہ لذت پرست معاشرے کے ادھورے دانشور بھدی زندگیوں کا جواز تلاش کرنے کے لئے یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں۔ ایسی تحریریں ذہنی طور پر بیمار قارئین کی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی ہیں۔

سلمان رشدی کی کتاب کے مرکزی کردار دو بھارتی اداکار ہیں' جو ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی پر تباہ ہونے والے ایک جمبو جیٹ سے برطانوی ساحلوں پر گرتے ہیں تو انہیں نئی زندگی مل جاتی ہے۔ ان میں سے جبرئیل بھارتی فلموں میں دیوتاؤں کے کردار ادا کرتا رہا ہے جبکہ صلاح الدین چمچہ ایک ثانوی (ایکسٹرا) اداکار ہے۔ اپنی نئی زندگی میں انہیں نئی شخصیتیں عطا ہوتی ہیں۔ صلاح الدین شیطان کا روپ دھار لیتا ہے۔

سلمان رشدی اور پبلشر نے اندرا گاندھی سے معافی مانگی .... ہرجانہ بھی ادا کیا

کتاب میں جاہلیہ کے نام سے ایک فرضی شہر دکھایا گیا ہے یہ شہر اپنی عمارتوں اور ماحول میں مکہ کی طرح ہے' جہاں ایک شخص پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے۔ کتاب میں اس کردار کا نام موہنڈ (MAHOUND) رکھا گیا ہے' قرون وسطیٰ کے اسلام کی مزاحمت کرنے والے تاریک مغرب میں یہ نام حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ نئی اور پرانی ڈکشنریوں میں بھی یہ لفظ اسی حوالے سے درج ہے۔ یہ لفظ جادوگر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے' نیم خواندہ اور مشرک مغرب کی اس نفسیات کی عکاسی کرتا ہے' جو اسلام سے خوف کی پیداوار تھی کتاب میں جلیل القدر پیغمبروں کا تذکرہ بازاری زبان میں کیا گیا ہے' وہ مکہ کے اس عہد کی تصویر دکھاتی ہے' جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے ماننے والوں کے طفیل حجاز دنیا کو روشنی عطا کرنے والا مرکز بن گیا تھا' جہاں انسان اپنے خدا کی طرف لوٹ کر جہل' کبر' خود غرضی اور پستی سے نجات حاصل کر رہے تھے' لیکن رشدی کی کتاب میں ازواج مطہرات' اور اصحاب رسول پاکبازی اور سلیم الفطرتی کے مظہر نہیں' حتیٰ کہ خود رسول خدا بھی نہیں۔ وہ انہیں عام انسانوں سے بھی زیادہ تاریک کرداروں میں پیش کرتا ہے۔ کتاب کا بھیانک ترین حصہ وہ ہے جس میں اس نے ۱۲ ایسی بازاری عورتوں کو دکھایا ہے' جو امہات المومنین کے نام رکھ لیتی ہیں تاکہ اپنے گھناؤنے اور گناہ آلود کاروبار کو فروغ دے سکیں۔ کتاب میں ہجرت بھی ایک موضوع ہے جو ہمیشہ مصنف کا ذہنی مسئلہ رہا ہے۔ وہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ہجرت کرنے والے کردار جیسا کہ وہ خود ہے یا بھارت سے پاکستان اور برطانیہ آنے والے دوسرے لوگ ایک عظیم المئیے کا شکار ہوتے ہیں اور ان کی شخصیتیں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔ وہ انہیں بمبئی' کراچی اور لندن میں جڑوں کے بغیر ایسے اداس اور بے ربط انسانوں کے روپ میں دکھاتا ہے' جن کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں جن کی روحیں اداسی سے بھری اور شخصیتیں مسخ ہو گئی ہیں اور یہ کہ ان کے دکھ درد کی کسی کو پرواہ نہیں۔

کتاب اپنے بین السطور کے پیغام کی حیثیت سے سیاسی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے نسل پرستی کی مخالفت کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی برصغیر سے تعلق رکھنے والے اس کے کردار اور افریقی کالے واقعی پستی کا شکار ہیں۔ کتاب کے آخری مناظر میں یہ کالے اور پیلے لوگ ایک نائٹ کلب میں رقص کرتے ہوئے اس وقت جل مرتے ہیں' جب عمارت کو آگ لگ جاتی ہے۔ یہ اس کے تصورات کا جہنم ہے۔

رشدی دوسری دنیا پر یقین نہیں رکھتا اور اسے اندازہ تھا کہ جب اس کی کتاب چھپ کر آئے گی تو اس پر احتجاج کیا جائے گا لیکن اسے اس امر کا کوئی اندازہ نہ تھا کہ وسائل سے محروم' مشکلات اور غلبے کا شکار مسلمان ایسی حمیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں آبزرور لندن میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں اس نے کہا "مجھے پتہ تھا کہ قرون وسطیٰ کے تاریک زمانوں کا اسلام' جسے مسجدوں سے باہر لانے کی کوشش کی جا رہی ہے' مجھے پسند نہ کرے گا لیکن مجھے اندازہ نہ تھا کہ اس کتاب پر اتنا ردعمل ہو گا۔ اگر آپ میری طرح اس بات پر اعتقاد نہیں رکھتے کہ کوئی بلند و برتر وجود فرشتے کو پیغام (وحی) کے ساتھ بھیجتا ہے تو لوگ آپ کو تکلیف دینے پر تل جاتے ہیں"۔

اہم بات یہ ہے کہ صرف شاعر اور کہانیاں کہنے والے ہی رشدی کی کتاب کے مثبت کردار ہیں۔ خود اپنے بارے میں وہ کہتا ہے "خدا نے میرے اندر خلا پیدا کر دیا ہے اور میں مذہب کی ان ہدایات سے یہ خلا پر نہیں کر سکتا جو حتمی نوعیت رکھتی ہیں۔ میں یہ خلا لٹریچر سے پر کرتا ہوں۔ میں لٹریچر سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنا کہ میری کتاب جلانے والے اسلام سے۔ ادب ہی میں' میں انسانی معاشرے اور روح کے بلند ترین اور پست ترین مقامات تلاش کرتا ہوں۔ میں ادب میں نہ صرف مکمل صداقت بلکہ انسانی روح کی کہانی کی سچائی بھی ڈھونڈتا ہوں... لہٰذا ایک اعتبار سے یہ عقائد کا تصادم ہے' جس طرح میری کہانی کا کردار سلیمان موہنڈ (محمدؐ) سے متصادم ہے"۔

سلمان رشدی کے خیال میں اس کی کتاب بے ہودہ یا فحش نہیں "میں نے ایک عظیم مذہب کی تخلیق کی انسانی تعبیر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔" مسلمانوں کی طرف سے احتجاج کے جواب میں اس کا موقف یہ ہے کہ "یہ کتاب مذہب کے بارے میں نہیں بلکہ یہ ہجرت' اس کے مصائب' اور اس سے جنم لینے والی تبدیلیوں کے بارے میں ہے۔" میں نے برصغیر سے برطانیہ آنے والے مہاجروں کے نقطہ نظر سے

اس کا جائزہ لیا۔ یہ (ہجرت) دنیا کی سب سے پرانی ادیب ہے۔ "اسے شکوہ ہے کہ جن لوگوں کے لئے اس نے کتاب لکھی، انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں، پانچ سال مہاجروں کی ثقافت کو زبان دینے کی کوششوں کے بعد، کہ میں خود بھی ان میں سے ایک ہوں، اپنی کتاب کو جلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، جن لوگوں کے بارے میں میں نے یہ کتاب لکھی ہے، وہ اسے نہیں پڑھتے، حالانکہ اس کے صفحات پر ان کے لئے کچھ مسرت اور ان کے وجود کا بہت کچھ اعتراف ہے"

ایک دوسرے انٹرویو میں اس نے کہا۔

"میری کتاب میں ایسے کردار ہیں جو محبت، موت اور خدا کے ساتھ یا اس کے بغیر مکمل انسان بننے کی کوشش کر رہے ہیں اور (کتاب کے) باہر کی دنیا میں غیر انسانی قوتیں برسر احتجاج ہیں۔ آج کے بھارت میں (جہاں سب سے پہلے اس کی کتاب پر پابندی لگی) ایک لکیر کھینچ دی گئی ہے جیسا کہ میری کتاب کا ایک کردار کہتا ہے مذہب لادینیت سے اور تاریکی روشنی سے برسر جنگ ہے۔ اب جبکہ یہ جنگ برطانیہ تک پھیل گئی ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ اسے حماقت سے ہار نہیں دیا جائے گا۔ یہ انتخاب کا وقت ہے، ہمیں طے کر لینا چاہئے کہ ہم کس کے ساتھ ہیں۔"

انسانیت، روشن خیالی اور رواداری کے علمبردار مصنف کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کی کتاب نے انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کروڑوں مسلمانوں کو اذیت پہنچی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ پبلشر کو فی منٹ ۵۰ احتجاجی ٹیلی فون کالیں اور روزانہ ہزاروں ٹیلی گرام مل رہے ہیں لیکن وہ اس کا حوالہ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ صرف چند انتہا پسند اور تقلید پرست مسلمان اس کے خلاف ہیں۔ وہ مکہ کو ایک قحبہ خانہ بنا کر پیش کرتا ہے اور اس پر ہرگز شرمندہ نہیں، اس نے پیغمبروں اور ان کے تربیت کردہ کرداروں کی توہین کی ہے لیکن وہ ان لوگوں کو قصوروار قرار دیتا ہے، جنہوں نے برطانیہ اور بھارت میں اس کے جواب میں پرامن اور باوقار مظاہرے کئے اور جن کا مطالبہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یہ کتاب مارکیٹ سے واپس لی جائے اور جن لوگوں کی دل آزاری کی گئی ہے، ان سے معذرت طلب کی جائے۔ وہ مسلمانوں سے اہل مغرب کے سے رویے کا مطالبہ کرتا ہے، جو حضرت عیسیٰؑ سے ناروا افعال منسوب کرنے پر بڑبڑانے کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ اس کی تمام تر قوت متخیلہ اور ذہانت اسے یہ بات سمجھانے میں ناکام رہتی ہے کہ مسلمان دوسروں سے مختلف ہیں اور وہ خواہ کتنے ہی بے عمل کیوں نہ ہو جائیں، اپنے عقائد اور محترم شخصیتوں کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ برطانوی ارکان پارلیمنٹ سے جو ملک کی مسلمان آبادی کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے ایک نیا قانون بنانے کی تیاریاں کر رہے ہیں، وہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تاریکی کی قوتوں کے سامنے نہ جھکیں۔ اس کا رویّہ یہ ہے کہ تمام تر شائستہ احتجاج کے باوجود وہ کتاب کی فروخت بڑھ جانے کے لئے امریکہ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب امام خمینی نے اس کے قتل کا فتویٰ جاری کیا تب اس نے کہا "واقعی اب معاملے کو سنجیدگی سے لینا پڑے گا۔"

پینگوئن کا رویہ ... پینگوئن کے ادارتی مشیر، بھارتی صحافی، رکن پارلیمنٹ اور دانشور خوشونت سنگھ کے اس مشورے کے باوجود کہ کتاب شائع نہ کی جائے، پینگوئن نے اس کی اشاعت کیوں ضروری سمجھی؟ خوشونت سنگھ نے کہا تھا کہ اگر مصنف کے خیال میں بھارتی مسلمان اس کتاب کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیں گے تو وہ ان کے مزاج سے آشنا نہیں لیکن غالباً یہ مغرب کے اہل سیاست و دانش کا مسئلہ نہیں۔ ان کے نزدیک فرد کی آزادی کا مفہوم کچھ اور ہے۔ جیسا کہ احتجاجاً کتاب جلانے کے واقعہ کے بعد برطانیہ کے وزیر تعلیم مسٹر کینتھ بیکر نے ۳۰ جنوری ۱۹۸۹ء کے ٹائمز لندن میں لکھا کہ مسلمان سنسر کے بغیر سنسر لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا دلچسپ استدلال یہ ہے کہ اگرچہ برطانوی قانون ذہنی غلاظت پیدا کرنے والا فحش مواد شائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن لوگوں کو آزادی ہے کہ وہ جو چاہیں لکھیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کتاب سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی ہے کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے کردار کو انصاف سے پیش نہیں کیا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت مسیح کے بارے میں اس انداز کی باتیں لکھی جاتی ہیں تو انہیں بھی سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک سچے عیسائی ہیں مگر اس کے باوجود وہ سنسر کے حق میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کتاب جلانے کی بجائے مصنف کے خلاف قرآن سے دلائل پیش کرنے چاہئیں کیونکہ اس طرح تو الٹا مصنف کو فائدہ پہنچ رہا ہے، جس کی کتاب زیادہ بکنے لگی ہے۔ مسٹر بیکر کا کہنا ہے کہ برطانیہ میں حضرت مسیح کے خلاف مواد کی اشاعت روکنے کا قانون موجود ہے لیکن اب یہ بے کار ہو چکا ہے کیونکہ

اسے کبھی برتا ہی نہیں گیا۔

مسٹر بیکر کا استدلال ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی یاد دلاتا ہے' جو جدید برطانیہ کے ہیروز میں شامل ہیں۔ وہ بہترین قوت فیصلہ اور انگریزی شان و شکوہ کے ساتھ برطانوی شائستگی کی ایک علامت سمجھے جاتے تھے۔ ان کی خوبصورت بیوی کئی سال نہرو سے معاشقہ کرتی رہیں' ماؤنٹ بیٹن کو یہ سب کچھ معلوم تھا لیکن وہ نہرو اور اپنی بیوی کی راہ میں مزاحم نہ ہوئے۔ مزاحمت کیا معنی نہرو کے ساتھ ان کے مراسم حد درجہ خوشگوار تھے۔ مسٹر بیکر شاید یہ بات کبھی نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی صورت حال میں ایک مسلمان کی حیثیت کیا نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ ان کے خیال میں جو چیز محض بد ذوقی کی علامت ہے' اسے بھارتی پارلیمنٹ کے رکن شہاب الدین ذہنی آلودگی پھیلانے کی ایک دانستہ کوشش قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ فضائی آلودگی کی طرح اس آلودگی سے بچنے کی بھی کوشش کی جانی چاہئے۔ لیکن برطانوی اخبارات کے ادبی نقاد مسٹر شہاب الدین کی بجائے کینتھ بیکر کے ہم خیال ہیں۔ یہ نقاد تسلیم کرتے ہیں کہ رشدی کی کتاب ذہنی غلاظت کی آئینہ دار ہے' وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رشدی نے زیادہ زرانعامی اور زیادہ شہرت کے لالچ میں برطانیہ کے ان مسلمانوں کا دل دکھایا ہے جو ہمیشہ قانون کی پابندی کرتے ہیں اور جو اخلاقی اعتبار سے دوسروں سے بہت بہتر ہیں' لیکن وہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے کہ ایسے شخص کو کوئی سزا ملنی چاہئے یا نہیں۔

ان لوگوں کے درمیان شہرت' دولت اور لذت کا تعاقب کرتا ہوا رشدی اس طرح کے بے معنی دلائل پیش کرتا ہے کہ اس کی کتاب اسلام اور مسلمان کے بارے میں نہیں۔ وہ مانتا ہے کہ **MAHOUND** کا لفظ قرون وسطی میں حضرت محمدؐ کے بارے میں استعمال ہوتا تھا اور یہ بھی کہ یہ منفی نوعیت کا لفظ ہے لیکن مغربی ثقافت سے مرعوب اپنے آپ سے نفرت کرنے والا رشدی یہ چاہتا ہے کہ نہ صرف اس حرکت پر بلکہ پیغمبروں' ازواج مطہرات اور اصحاب رسول کی توہین پر اس سے کوئی باز پرس نہ کی جائے' کیونکہ یہ فرد کی آزادی کے خلاف ہے اور ایسا کرنے کے لئے کوئی قانون موجود نہیں۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۸ء کو اس نے لندن کے روزنامہ انڈی پنڈنٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا "کبھی میں بغیر سوچے سمجھے مسلمان تھا' اب نہیں ہوں۔" لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے تاریخ انسانی کے سب سے معتبر اور پاکباز انسان کو دہری شخصیت والا آدمی ثابت کرنے اور اس عمل سے روپیہ کمانے کی اجازت دی جائے کیونکہ دنیا میں گندی حرکتوں کی داد دینے والے لوگ موجود ہیں لہٰذا ان کی خاطر سعید اور پاکباز لوگ ذہنی اذیت برداشت کرنے کو تیار رہیں۔

رشدی کو مسلمان کی حیثیت سے پیدا ہونے کا دکھ ہے۔ وہ م... نسزم کی طرف مائل ہے اور اسے اس تصور سے تکلیف پہنچی ہے کہ اسلامی عقیدہ جو مضبوط بنیادیں رکھتا ہے ایسے محترم کرداروں کی وجہ سے فروغ پذیر ہے' جن میں کوئی جھول نہیں۔ وہ احساس کمتری کی ایک کلاسیکل مثال ہے' جو مغلوب تہذیبوں میں پیدا ہوتی ہیں لیکن اس سے بڑھ کر اس کا اصل عیب یہ ہے کہ وہ خود پرست واقع ہوا ہے ایک ایسا آدمی جو کبھی اپنی غلطی ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

لکھنے والے کی حیثیت سے وہ ناول نگاروں کی اس نسل سے تعلق رکھتا ہے جو دوسری عالمگیر جنگ کے بعد نمودار ہوئی۔ وہ لوگ جو کسی چیز کی تشریح کرنے یا رہنمائی کرنے کے جذبے سے نہیں لکھتے۔ ان کا مقصد کسی خاص معاشرے یا دنیا کی تصویر کشی بھی نہیں۔ بظاہر وہ انتہائی ضروری حقائق کے بارے میں لکھنے اور سماجی مسائل سے بحث کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد قاری کے سطحی جذبات کی تسکین ہوتا ہے۔ وہ اچھوتے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ طاقتوروں سے انتقام لینے والے کردار تخلیق کرتے ہیں۔ جنسی مناظر دکھاتے ہیں ان کتابوں میں ناپسندیدہ کردار ہیرو کے ہاتھ سے بے دردی سے مرتے اور تباہ ہوتے ہیں۔ یہ اس قاری کے لئے مصنف کا تحفہ ہے' جس نے اپنی محنت کی کمائی سے چند ڈالر خرچ کئے ہیں۔ ایسے کم ذوق قاری کی خوشنودی ہی پر لکھنے والے کی قبولیت اور آمدن کا انحصار ہے۔

ان میں سے بہت سے لکھنے والے' جن کا سرخیل امریکہ کا یہودی مصنف ہیرالڈ رابنس ہے' آج کی دنیا کے سیاسی کرداروں سے ملتے جلتے کردار تخلیق کرتے ہیں۔ وہ ایسے رہنماؤں کی ذاتی زندگی کے حوالے سے لذت انگیز کہانیاں لکھتے ہیں جن کے بارے میں عام لوگوں میں حد درجہ تجسس ہوتا ہے۔ اس عمل میں وہ کسی لیڈر کے پیروکاروں یا کسی عقیدے سے محبت کرنے والوں کے جذبات کا خون کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے ان کے لئے یہ ایک کاروبار